The Study of Religion and History
Volume 4 issue 1 (2026)
www.srhjournal.com
ISSN(Print): 3006-3329 ISSN(Online): 3006-3337

اقبال کی فکرِ تجدید اور جدید مسلم معاشرہ :خودی، تعلیم اور قیادت کا تنقیدی جائزہ

Iqbal’s Thought of Renewal and the Modern Muslim Society: A Critical Analysis of Selfhood, Education, and Leadership.

ڈاکٹر محمد عامر اقبال
پوسٹ ڈاکٹورل فیلوشپ اسکالر، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، پاکستان

Dr Muhammad Amir Iqbal
Post Doctorate fellowship Scholar, IRI, IIUI .Pakistan

ماریہ بلال،
پی۔ایچ۔ڈی اردو اسکالر، جی سی ویمن ٹونیورسٹی، سیالکوٹ

Maria Bilal
Ph.D. Urdu Scholar. GCWU, Sialkot

Abstract:

This research article presents the thought of renewal of Allama Muhammad Iqbal in the context of modern Muslim society through a critical perspective. The study clarifies that Iqbal, by presenting Islam as a comprehensive code of life, sought to liberate Muslims from intellectual stagnation, spiritual weakness, and practical decline.The article particularly emphasizes the concept of khudi (selfhood), which Iqbal regards as the fundamental source of an individual’s moral, spiritual, and intellectual awakening. Through selfhood, a person not only attains self-recognition but also contributes to the formation of an active and dignified society at the collective level.Furthermore, Iqbal’s views on education are presented as a balanced system in which the integration of modern scientific knowledge with religious and moral training is considered essential. The article points out that the current educational imbalance in Muslim societies reflects a deviation from Iqbal’s vision.Similarly, while discussing leadership, the study explains that selfhood, character, and intellectual insight are indispensable elements for effective leadership, whereas the crisis of leadership in the present era has become a serious issue.The study concludes that Iqbal’s thought of renewal remains highly relevant and practical even today; however, the lack of its implementation is a major challenge. If the principles of selfhood, education, and leadership are applied in practical life, modern Muslim society can overcome its intellectual, moral, and social problems and play a positive role at the global level.

Keywords: *Iqbal's thought, concept of selfhood, Islamic modernism, Muslim society, education and training, leadership and guidance.*

ملخص

یہ تحقیقی مضمون علامہ محمد اقبال کے نظریۂ تجدید کو عصرِ حاضر کے مسلم معاشرتی پس منظر میں تنقیدی پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ اقبال نے اسلام کو ایک ہمہ گیر نظامِ زندگی کے طور پر پیش کیا اور مسلمانوں کو ذہنی جمود، روحانی ضعف اور عملی زوال سے نکالنے کی سعی کی۔ تحقیدی مضمون میں بالخصوص تصورِ خودی کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے جسے اقبال فرد کی اخلاقی تطہیر، روحانی ارتقا اور فکری بیداری کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔ خودی کے شعور سے انسان نہ صرف اپنی انفرادی شناخت کو مستحکم کرتا ہے بلکہ اجتماعی سطح پر ایک متحرک اور باوقار معاشرے کے قیام میں بھی مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں، تعلیم کے بارے میں اقبال کے افکار کو ایک متوازن نظام کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس میں جدید سائنسی علوم کے ساتھ دینی اور اخلاقی تربیت کے امتزاج کو ناگزیر سمجھا گیا ہے۔ مضمون اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ موجودہ مسلم معاشروں میں تعلیمی عدم توازن اقبال کے تصور سے انحراف کی علامت ہے۔ اسی طرح قیادت کے باب میں اقبال کی فکر کو زیرِ بحث لاتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ مؤثر قیادت کے لیے خودی، کردار اور فکری بصیرت ناگزیر عناصر ہیں، جبکہ موجودہ دور میں قیادت کا بحران ایک سنجیدہ مسئلہ بن چکا ہے۔ یہ مطالعہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اقبال کی فکرِ تجدید آج بھی نہایت مؤثر اور قابلِ عمل ہے، تاہم اس کے عملی نفاذ کی کمی ایک بڑا چیلنج ہے۔ اگر خودی، تعلیم اور قیادت کے اصولوں کو عملی زندگی میں نافذ کیا جائے تو جدید مسلم معاشرہ اپنی فکری، اخلاقی اور سماجی مشکلات پر قابو پا سکتا ہے اور عالمی سطح پر مثبت کردار ادا کر سکتا ہے۔

کلیدی الفاظ: فکرِ اقبال، تصورِ خودی، اسلامی جدیدیت، مسلم معاشرہ، تعلیم و تربیت، قیادت اور رہنمائی

علامہ اقبال کی فکر برصغیر اور عالمِ اسلام میں ایک ہمہ جہت فکری تحریک کی حیثیت رکھتی ہے جس کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو فکری جمود، روحانی کمزوری اور عملی انحطاط سے نکال کر ایک متحرک، خود آگاہ اور باوقار قوم بنانا ہے۔ اقبال کی فکرِ تجدید دراصل اسلام کی ابدی تعلیمات کو نئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتی ہے کہ اسلام کو صرف ظاہری عبادات یا محدود رسومات تک محدود کرنا اس کی حقیقی روح کے منافی ہے۔ درحقیقت، اسلام ایک جامع نظامِ حیات ہے جو انسان کی ذاتی اصلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی معاملات میں بھی مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے، اور زندگی کے ہر پہلو میں توازن، عدل اور مقصدیت قائم کرنے کا درس دیتا ہے۔ اسی تناظر میں اقبال کا تصورِ خودی، تعلیم کا جدید و متوازن تصور اور قیادت کی اہمیت ایک مربوط فکری نظام کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک خودی انسان کے وجود کی اصل بنیاد ہے، جو اسے کائنات میں باعزت اور بااختیار حیثیت عطا کرتی ہے۔ ان کے تصور میں خودی محض خود پسندی یا انا کا نام نہیں بلکہ اپنی حقیقت کا ادراک، صلاحیتوں کی نشو و نما اور ذمہ داریوں کے شعور کو اجاگر کرنے کا عمل ہے۔ اقبال کے مطابق جب فرد اپنی خودی کو پہچان لیتا ہے تو وہ ذہنی غلامی، خوف اور احساسِ کمتری سے آزادی حاصل کر لیتا ہے، اور اس کے اندر جرات، خود اعتمادی اور تخلیقی توانائی پیدا ہوتی ہے۔ یہی اوصاف نہ صرف اس کی انفرادی ترقی کو مہمیز دیتے ہیں بلکہ اجتماعی سطح پر ایک مضبوط، باشعور اور فعال معاشرے کے قیام میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم ناقدانہ نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو عصرِ حاضر کے مسلم معاشروں میں تصورِ خودی اکثر یا تو نظر انداز ہو چکا ہے یا اسے محض جذباتی نعروں تک محدود کر دیا گیا ہے، جس کے باعث اس کی عملی افادیت نمایاں نہیں ہو پاتی۔ مزید برآں، تعلیم کے بارے میں اقبال کا نقطۂ نظر نہایت جامع اور متوازن ہے۔ وہ ایسی تعلیم کے حامی ہیں جو صرف معلومات کی فراہمی تک محدود نہ رہے بلکہ انسان کی ہمہ جہت شخصیت کی تعمیر کرے، تاکہ ایسے افراد تیار ہوں جو فکری آزادی، اخلاقی پختگی اور عملی فعالیت کے حامل ہوں۔ اقبال جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے حصول کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ دینی اور اخلاقی تربیت کو بھی ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر تعلیم صرف مادی ترقی تک محدود ہو جائے اور اس میں روحانی اور اخلاقی پہلو شامل نہ ہو تو وہ انسان کو مکمل نہیں

بنا سکتی۔ تنقیدی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو آج کے مسلم معاشروں میں تعلیمی نظام اسی عدم توازن کا شکار ہے جہاں یا تو مغربی طرز کی مادّی تعلیم کو مکمل ترجیح دی جاتی ہے یا محض روایتی دینی تعلیم پر اکتفا کیا جاتا ہے، جبکہ اقبال ایک ایسے امتزاج کی بات کرتے ہیں جو دونوں پہلوؤں کو یکجا کرے۔ قیادت کے باب میں اقبال کی فکر نہایت واضح اور عملی ہے۔ وہ ایسی قیادت کے حامی ہیں جو خودی سے سرشار، باکردار، باصلاحیت اور امت کے اجتماعی مفاد سے مخلص ہو۔ اقبال کے نزدیک قیادت کا اصل مقصد اقتدار حاصل کرنا نہیں بلکہ قوم کی رہنمائی کرنا اور اسے ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ وہ نوجوانوں کو خاص طور پر مخاطب کرتے ہوئے انہیں خودی، علم اور عمل کے ذریعے قیادت کے قابل بننے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایک مضبوط قیادت ہی کسی بھی معاشرے کو زوال سے نکال کر عروج کی طرف لے جا سکتی ہے۔ لیکن موجودہ صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے تو مسلم دنیا میں قیادت کا بحران واضح طور پر نظر آتا ہے، جہاں ذاتی مفادات، بدعنوانی اور فکری کمزوری نے قیادت کے حقیقی تصور کو مجروح کر دیا ہے۔ اقبال کے نظریۂ تجدید کا ناقدانہ مطالعہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ ان کے پیش کردہ اصول محض اپنے عہد تک محدود نہیں بلکہ آج کے پیچیدہ سماجی اور فکری حالات میں بھی پوری معنویت کے ساتھ قابلِ اطلاق ہیں، بلکہ بدلتے ہوئے عالمی تناظر میں ان کی افادیت مزید نمایاں ہو گئی ہے۔ اصل مسئلہ ان افکار کی معنوی کمزوری نہیں بلکہ ان کے عملی نفاذ میں سنجیدگی کی کمی ہے، کیونکہ مسلم معاشروں میں اکثر اقبال کے تصورات کو فکری یا ادبی بحثوں تک محدود کر دیا جاتا ہے، جبکہ ان کی اصل روح عملیت، اجتہادی سوچ اور تخلیقی جدوجہد میں مضمر ہے۔ درحقیقت، اقبال کی فکر ایک مربوط فکری نظام پیش کرتی ہے جس میں خودی فرد کی داخلی تعمیر کا ذریعہ بنتی ہے، تعلیم اس کی ذہنی و اخلاقی نشوونما کو یقینی بناتی ہے، اور قیادت انفرادی صلاحیتوں کو اجتماعی قوت میں ڈھالتی ہے۔ اگر ان عناصر کو گہرائی سے سمجھ کر عملی میدان میں بروئے کار لایا جائے تو جدید مسلم معاشرہ نہ صرف اپنے داخلی مسائل پر قابو پا سکتا ہے بلکہ عالمی سطح پر ایک مثبت، باوقار اور مؤثر کردار بھی ادا کرنے کے قابل ہو سکتا ہے، جس سے اقبال کے فکر کی عملی اور معنوی اہمیت مزید واضح ہو جاتی ہے۔

عملی اور فکری اہمیت

اقبال کی تجدیدی فکر عصرِ حاضر کے مسلم معاشروں کے لیے غیر معمولی معنویت رکھتی ہے، کیونکہ وہ مذہب کو محض عقائد و عبادات تک محدود کرنے کے بجائے اسے ایک فعال اور ہمہ گیر نظامِ زندگی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن صرف تلاوت کی کتاب نہیں بلکہ ایک ایسا عملی منشور ہے جو انسان کی فکری رہنمائی، اخلاقی تربیت اور سماجی تنظیم کے اصول فراہم کرتا ہے۔ یہی نقطۂ نظر مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی تہذیبی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے جدید دنیا کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔ اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ روحانی بالیدگی اور سائنسی و فکری ترقی ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ باہمی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے اگر مسلم معاشرے قرآنی تعلیمات کو عمل کا محور بنا کر اپنی فکری و عملی جہتوں کو استوار کریں تو وہ نہ صرف داخلی طور پر مضبوط ہو سکتے ہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی باوقار اور مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ قرآنِ مجید کا حقیقی مقصد بیان کرتے ہوئے اقبال نے اپنے خطبات میں لکھا ہے کہ قرآنِ مجید کا اصل ہدف یہ ہے کہ انسان اپنے اور پوری کائنات کے درمیان موجود متنوع تعلقات کو گہرے شعور کے ساتھ سمجھ سکے اور ان کی معنویت کو پہچانے۔ درحقیقت، قرآنی تعلیمات کا یہی مرکزی نکتہ ہے کہ انسان اپنے وجود، کائنات اور خالق کے باہمی ربط کو شعوری طور پر دریافت کرے اور اسی بنیاد پر اپنی فکری و عملی زندگی کو استوار کرے۔[1]

---

[1] اقبال، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، مترجم، سید نذیر نیازی، لاہور: بزمِ اقبال کلب روڈ، اشاعت پنجم، 2000ء، ص 42

اقبال نے ایسی دلیلوں سے اسلام اور قرآن کی عظمت کا لوہا منوایا ہے۔ اقبال کی فکری و شعری کائنات میں اسلامی جدیدیت اور قرآن سے تعلق کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ وہ قرآن کو صرف ایک مذہبی متن کے طور پر نہیں بلکہ حیاتِ انسانی کے ہر پہلو کی رہنمائی کرنے والا سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک مسلمان اگر اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ پانا چاہتے ہیں تو انھیں قرآن میں غوطہ زن ہونا پڑے گا اور اس کی روشنی میں اپنے سیاسی، سماجی اور تہذیبی ڈھانچوں کو از سرِ نو تشکیل دینا ہوگا۔ یہی تصور اسلامی جدیدیت کا وہ پہلو ہے جس میں روایت اور اجتہاد کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ اقبال خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا رفیق قرآن حکیم تھا اور یہی کتاب ان کی فکری و روحانی تربیت کا سرچشمہ بنی۔ ان کے نزدیک قرآن ہی فرد کی خودی کو جِلا بخشتا ہے۔ اسے جمود سے نکالتا ہے اور اجتہاد کی قوت عطا کرتا ہے جو معاشرتی و سیاسی ترقی کا بنیادی زینہ ہے۔ اس پہلو پر ڈاکٹر سید حسین محمد جعفری نے "اقبال: فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید" میں لکھا ہے کہ:

> "کلام اللہ میں ہر سوال کا جواب اور ہر مسئلہ کا حل موجود ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہاں ایسے ہمہ گیر اصول موجود ہیں جن کے تحت ہر مسئلے کا حل اور ہر سوال کا جواب تلاش کیا جا سکتا ہے"[2]

اقبال کی تجدیدی فکر کے اثرات آج بھی مدارس، جامعات اور فکری مباحث میں محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کو اپنے تاریخی ورثے سے جڑنے، خودی کی تعمیر کرنے اور اجتماعی سطح پر مضبوط معاشرہ قائم کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

اقبال کا تصورِ خودی اور جدید مسلم معاشرے کی تشکیل

اقبال کی فکری دنیا میں تصورِ خودی ایک مرکزی ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔ خودی کی تعلیم مسلمانوں کو نہ صرف اپنی ذاتی شخصیت کی پہچان فراہم کرتی ہے بلکہ اجتماعی سطح پر ایک فعال، خوددار اور مضبوط معاشرہ تشکیل دینے کی بنیاد بھی ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی صرف خود پسندی یا انا کا نام نہیں بلکہ یہ انسان کے اندر پوشیدہ خدائی امانت، اخلاقی قوت اور روحانی توانائی کا شعور ہے۔ اقبال کی فکری جہت کو دیکھتے ہوئے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ انھیں انسانی شخصیت اور اس کے باطنی جوہر، یعنی "خودی" سے گہری وابستگی تھی۔ در حقیقت ان کی فکر کا مرکز و محور ہی خودی کا تصور ہے اور اسی بنیاد پر ناقدین نے ان کے پورے فلسفیانہ نظام کو "فلسفۂ خودی" کا نام دیا۔ اقبال کے نزدیک یہ سوال ہمیشہ بنیادی رہا کہ انسان کا نفس یا روح کیا ہے؟ کیا یہ محض ایک ذہنی کیفیت ہے یا اپنی جگہ ایک مستقل حقیقت بھی رکھتی ہے؟ مزید یہ کہ کیا انسان اپنی مرضی، اختیار اور عمل میں آزاد ہے یا وہ کسی خارجی جبر کا شکار ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا موت کے بعد اس کے وجود کو بقا نصیب ہوتی ہے یا فنا اس کا حتمی انجام ہے؟ ایسے ہی سوالات صدیوں سے انسانی فکر کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں اور اقبال نے انھیں اپنے مخصوص زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہوئے ایک ایسا فلسفیانہ تصور پیش کیا جس نے نہ صرف برصغیر بلکہ پوری اسلامی دنیا کی فکری سمت کو متاثر کیا۔ پروفیسر محمد عثمان نے اس کی وضاحت کچھ اس طرح کی ہے:

> "علامہ اقبال کو انسانی انا یا خودی میں کسی قدر دلچسپی تھی، اس کا اندازہ اس امر سے لگایئے کہ ان کے فکر کا مرکزی نقطہ ہی خودی ہے اور ان کے نظام انکار کو اثر نقادوں نے فلسفہ خودی سے موسوم کیا ہے۔ انسانی نفس، روح یا انا کیا چیز ہے؟ اور بنیادی طور سے وہ کن اوصاف سے متصف ہے؟ کیا وہ جسم سے الگ کوئی حقیقت رکھتی ہے کہ نہیں؟ کیا وہ ذی اختیار اور اپنی سوچ اور عمل میں آزاد ہے؟ اور کیا موت

---

[2] ڈاکٹر سید حسین محمد جعفری، اقبال: فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید، کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر جامعہ کراچی، دسمبر 1988ء، ص 153

کے بعد اُسے بقا نصیب ہے؟ یہ ہیں وہ سوالات جن پر انسان ہمیشہ سے غور و فکر
کر رہا ہے اور ان کے جوابات کا متلاشی ہے"[3]

اقبال نے یہ تصور اس زمانے میں پیش کیا جب مسلمانوں کے معاشرتی، سیاسی اور علمی حالات مایوسی اور جمود کا شکار تھے۔ برصغیر اور عالم اسلام میں مغربی جدیدیت کے اثرات بڑھ رہے تھے اور مسلمانوں میں اپنی تہذیب و تمدن کے حوالے سے شعور کی کمی تھی۔ ایسے ماحول میں اقبال کا خودی کا تصور ایک فکری و عملی رہنما کے طور پر سامنے آیا، جو فرد کی اخلاقی و روحانی ترقی اور اجتماعی سطح پر مضبوط مسلم معاشرے کی تشکیل پر زور دیتا ہے۔ اقبال کی فکر مسلمانوں کو موجودہ دور کے چیلنجز سے نمٹنے، علمی، سیاسی اور معاشرتی ترقی حاصل کرنے اور ایک مضبوط اور فعال مسلم معاشرہ تشکیل دینے کی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اقبال نے خودی کے بارے میں لکھا ہے کہ جسے ہم خودی سے تعبیر کرتے ہیں، دراصل وہ ایک مسلسل جاری عمل ہے جس میں ایک کیفیت دوسری کیفیت کو جنم دیتی ہے اور پھر آنے والی کیفیت اس سے اثر قبول کرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے؛ یوں خودی ایک متحرک اور تدریجی ارتقا کا نام ہے، نہ کہ کوئی جامد یا ساکن حالت۔[4] اقبال کا تصورِ خودی دراصل ایک فکری و عملی فلسفہ ہے جو جدید مسلم معاشرے کی تشکیل کے لیے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اقبال نے اس تصور کو اس وقت پیش کیا جب مسلمان علمی، سیاسی اور تہذیبی زوال کا شکار تھے اور مغربی فکر کے غلبے نے ان کے اعتماد کو مجروح کر دیا تھا۔ ان حالات میں اقبال نے خودی کو فرد اور معاشرے کی تجدید کا واحد راستہ قرار دیا۔ ان کے نزدیک خودی محض انا یا خود پسندی نہیں بلکہ وہ خدائی امانت ہے جو انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہے اور جو اسے اخلاقی، روحانی اور عملی قوت عطا کرتی ہے۔ یہی خودی فرد کو بیداری، خوداعتمادی اور مقصدیت فراہم کرتی ہے اور اسے اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر معاشرے میں مثبت اور فعال کردار ادا کرے۔ اقبال واضح کرتے ہیں کہ اگر فرد اپنی خودی کو پہچان لے تو وہ نہ صرف اپنی ذات کو کمال تک پہنچا سکتا ہے بلکہ ایک ایسا معاشرہ بھی تشکیل دے سکتا ہے جو خوددار، خودمختار اور زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو۔ اس کے ساتھ ہی اقبال نے یہ حقیقت بھی اجاگر کی کہ جدید علوم اور سائنسی ترقی صرف اسی وقت مسلمانوں کے لیے ثمر آور ثابت ہو سکتی ہے جب وہ اپنی اسلامی اقدار اور قرآنی تعلیمات کے ساتھ جڑے رہیں۔ اس طرح اقبال کا تصورِ خودی اسلامی جدیدیت کی ایک ایسی تعبیر ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کو نہ صرف ترقی کی راہیں دکھاتی ہے بلکہ انہیں اخلاقی و روحانی بنیادوں پر قائم رکھتی ہے۔

اسلامی دنیا کے لیے اقبال کی عملی تجاویز

اقبال کی فکری کاوشیں صرف فلسفیانہ یا ادبی مباحث تک محدود نہیں تھیں بلکہ ان میں مسلمانوں کے لیے ایک جامع اور عملی رہنمائی بھی پوشیدہ ہے۔ انھوں نے اسلامی دنیا کی نشوونما کے لیے تعلیمی، سیاسی، اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی پہلوؤں پر واضح اور مؤثر تجاویز پیش کیں۔ ان کے نزدیک نظری اور عملی جہد دونوں ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں کیونکہ اس دوگانہ کاوش کے بغیر کوئی قوم حقیقت میں بیدار نہیں ہو سکتی۔ اقبال نے تعلیم کو امت کی بیداری کے لیے بنیادی ستون قرار دیا۔ ان کا ماننا تھا کہ مسلمان جدید سائنس، ریاضی، طب اور دیگر فنون میں ترقی کریں لیکن دینی اور قرآنی علوم کو بھی محض روایت کے طور پر نہیں بلکہ تحقیق و تنقید کی روشنی میں آگے بڑھایا جائے۔ اقبال کے نزدیک نوجوانوں میں خودی، فکری استقلال اور خوداعتمادی کو فروغ دینا ہی تعلیم کا اہم ترین مقصد ہے۔ اسی لیے اقبال نے کہا کہ دنیا کو صرف مشاہدے یا مجرد خیالات تک محدود کر کے نہیں سمجھا جا سکتا، بلکہ یہ ایک ایسا میدانِ عمل ہے جو انسان کی مسلسل جدوجہد اور تخلیقی کوششوں سے ہر لمحہ نئی صورت اختیار کرتا رہتا ہے۔ انسان اپنے افعال، فیصلوں اور ارادوں کے ذریعے نہ صرف اپنے ماحول کو تشکیل دیتا ہے بلکہ خود اپنی شخصیت کو بھی سنوارتا اور نکھارتا ہے۔ یہی عملِ مسلسل خودی کے لیے

---

3 محمد عثمان، پروفیسر، فکر اسلامی کی تشکیل نو، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، چوک اردو بازار، 2011ء ص 95

4 اقبال، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، مترجم، سید نذیر نیازی، ص 161

مسرت اور تکمیل کا باعث بنتا ہے، کیونکہ اس میں انسان اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے اور اپنی حقیقت کو پہچانتا ہے۔ تاہم یہی مرحلہ ایک کڑی آزمائش بھی ہے، کیونکہ اس میں ذمہ داری، استقامت اور درست سمت کا انتخاب لازمی ہوتا ہے، اور یہی عوامل طے کرتے ہیں کہ انسان اپنی خودی کو بلندی تک لے جاتا ہے یا اسے کمزور کر دیتا ہے۔[5] سیاسی میدان میں اقبال نے مسلمانوں کو اپنی سیاسی تقدیر خود طے کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے اجتماعی شعور اور موثر قیادت کی ضرورت پر تاکید کی، اور نوجوان قیادت کو خودی کے اصولوں کی بنیاد پر پروان چڑھانے کے لیے کہا۔ ان کے نزدیک سیاسی اتحاد امت کو عالمی منظر پر طاقت بنا سکتا ہے۔ اخلاقی و روحانی تربیت کے حوالے سے اقبال کا خیال تھا کہ اسلام کا عملی اظہار فقط مادّی ترقی سے نہیں ہوتا بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں عدل، انصاف، تعاون اور صبر جیسے اخلاقی اصولوں کے فروغ پر بھی مبنی ہونا چاہیے۔ اقبال کی رائے میں مذہب اور سائنس کے درمیان اس وقت چپقلش پیدا ہوتی ہے جب ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ وہ ایک ہی قسم کی اشیا اور حقائق کی تعبیر پیش کرتے ہیں[6]۔ جدید علوم سے آگہی کا اور تربیت کا مقصد نوجوانوں میں حاکیت نفس اور قیادت کے خصائل پیدا کرنا تھا۔ معاشی خودداری کے سلسلے میں اقبال نے قوموں کو اپنی صنعت، معیشت اور تجارت میں ترقی کرنے پر تاکید کی تاکہ غیر ملکی انحصار ختم ہو اور معیشتی آزادی حاصل ہو۔ انھوں نے سماجی انصاف اور مساوات کو بھی ترقی کے لازمی جزو کے طور پر پیش کیا اور کہا کہ نماز باجماعت اور دیگر اجتماعی عبادات ہمارے اندر وحدت اور مساوات کا رنگ پیدا کر کے نسلی، لسانی، جغرافیائی اور سماجی امتیازات کا قلع قمع کر دیتی ہیں[7]۔
سائنسی اور فکری شعور کی ترویج کے لیے اقبال نے مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ تحقیق و تخلیق میں حصہ لیں اور فکری آزادی کا لباس پہن کر قرآنی رہنمائی کے تحت جدید علوم میں آگے بڑھیں۔ اقبال کے نزدیک اسلام ایک زندہ اور ہمہ گیر دین ہے جو کسی ایک دور یا تہذیب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر زمانے کے انسان کی رہنمائی کے لیے آیا ہے۔ اسی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ دورِ حاضر کے بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کی نئی تفہیم اور تشکیلِ جدید کی ضرورت ہے تاکہ اس کے ابدی پیغام کو زمانۂ موجود کے تقاضوں کے مطابق سمجھا جا سکے[8]۔ ان کے خیال میں اسلام کی بنیادی تعلیمات، یعنی توحید، رسالت اور آخرت، ہمیشہ باقی رہنے والی حقیقتیں ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ اپنی افادیت نہیں کھوتیں لیکن ان حقائق کو پیش کرنے کے انداز اور ان کی تعبیر و تشریح میں لچک ہونی چاہیے تاکہ نئی نسل اس دین کو اپنی فکری اور عملی زندگی کا حصہ بنا سکے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمان جدید علوم سے گریز نہ کریں بلکہ انھیں قرآن کی رہنمائی کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ایک ایسا فکری ڈھانچہ تعمیر کریں جس میں سائنس اور مذہب ایک دوسرے کے معاون بن سکیں۔ وہ بار بار اس بات پر متوجہ کرتے ہیں کہ مغربی دنیا نے سائنسی ترقی تو حاصل کر لی ہے مگر روحانی اقدار سے محروم ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے پاس ایمان اور اخلاقیات کا سرمایہ موجود ہے جسے جدید سائنسی شعور کے ساتھ جوڑ کر ایک ہمہ جہت اور متوازن تہذیب قائم کی جا سکتی ہے۔ اقبال کی یہ فکر دراصل اس بات کی ضمانت ہے کہ اسلام محض ماضی کی یادگار نہیں بلکہ ایک ایسی طاقت ہے جو اگر نئی فکری بنیادوں پر زندہ کی جائے تو انسانیت کو درپیش موجودہ مسائل کا حل پیش کر سکتی ہے۔

---

5 اقبال، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، مترجم، سید نذیر نیازی، ص283

6 شریف بقا، خطبات اقبال پر ایک نظر، ص26

7 شریف بقا، خطبات اقبال پر ایک نظر، ص68

8 شریف بقا، خطبات اقبال پر ایک نظر، ص72

اقبال کی عملی تجاویز دراصل ایک ہمہ جہت فکری اور عملی خاکہ فراہم کرتی ہیں جو امتِ مسلمہ کو جدید دور کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے قابل بناتا ہے۔ ان کے نزدیک نوجوان نسل کی تربیت خودی کی بنیاد پر ہونی چاہیے تاکہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی صلاحیتوں کو پہچان سکیں اور زندگی کے ہر شعبے میں فعال کردار ادا کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تعلیم اور علم کی ترقی کو نہایت ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ بغیر علمی ارتقا کے کوئی بھی قوم نہ تو ماضی کی عظمت کو زندہ کر سکتی ہے اور نہ ہی مستقبل میں ترقی کی راہیں کھول سکتی ہے۔ اخلاقی اور روحانی مضبوطی کو بھی وہ مسلمانوں کے لیے ایک بنیادی ستون قرار دیتے ہیں کیونکہ محض مادی ترقی انسان کو کمال تک نہیں پہنچا سکتی جب تک کہ اس کے ساتھ اخلاقی قدریں اور روحانی بیداری شامل نہ ہو۔ اقبال اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر سیاسی شعور پیدا ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی اجتماعی قوت کو پہچان سکیں اور دنیا کی دیگر طاقتوں کے ساتھ باعزت تعلقات قائم کر سکیں۔ اسی طرح معاشی خودمختاری کو وہ امت کی آزادی اور وقار کی بنیاد سمجھتے ہیں کیونکہ اقتصادی غلامی فکری اور سیاسی غلامی کو جنم دیتی ہے۔ ان تمام نکات کو ملا کر اقبال ایک ایسا لائحہ عمل پیش کرتے ہیں جو نہ صرف ان کے عہد بلکہ آج کے زمانے کے لیے بھی نوجوانوں، دانشوروں اور قیادت کے لیے راہنمائی فراہم کرتا ہے اور امتِ مسلمہ کے احیاء کی ضمانت دیتا ہے۔

ماحصل

یہ مضمون اقبال کے تصورِ جدیدیت اور خودی کے فکر انگیز رجحانات کو وسعت فراہم کرتا ہے۔ اقبال کے تصورِ خودی کی جدید مسلم معاشرے میں اہمیت پر جامع تجزیہ پیش کرتا ہے۔ اقبال کی فکر میں خودی ایک مرکزی ستون ہے جو فرد کی ذاتی شخصیت کی پہچان، اخلاقی تربیت، روحانی ترقی اور اجتماعی فکری و عملی استحکام کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ خودی محض انا یا خود پسندی نہیں بلکہ انسان کے اندر پوشیدہ خدائی امانت، اخلاقی قوت اور علمی شعور کا مظہر ہے جو فرد کو فعال، خوددار اور مقصدیت کا حامل بنانے میں مدد دیتا ہے۔ مضمون میں خودی کی فکری بنیادوں، اس کے انفرادی اور اجتماعی اثرات اور نوجوان نسل کی تربیت میں اس کی اہمیت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اقبال کے نزدیک نوجوان نسل میں خودی کی تعلیم انفرادی ترقی کے ساتھ ساتھ معاشرتی ہم آہنگی، سیاسی استحکام، علمی اور اقتصادی ترقی کا ذریعہ بنتی ہے۔ مضمون میں اقبال کی عملی تجاویز بھی اجاگر کی گئی ہیں، جن میں تعلیم کی ترقی، اخلاقی اور روحانی تربیت، معاشی خودداری اور سیاسی شعور شامل ہیں۔ یہ تمام نکات اس بات کی ضمانت ہیں کہ مسلمان جدید دنیا کے تقاضوں سے ہم آہنگ رہتے ہوئے اپنی اسلامی شناخت اور اخلاقی اصول برقرار رکھ سکتے ہیں۔ اقبال کا فلسفۂ خودی ایک عملی اور فکری رہنما بھی ہے جو فرد اور معاشرے کو ترقی، خوداعتمادی اور مثبت کردار کے قابل بناتا ہے۔ موجودہ دور میں جب مسلم معاشرے اخلاقی بحران، سیاسی عدم استحکام اور فکری جمود کا شکار ہیں، اقبال کی فکر رہنمائی فراہم کرتی ہے کہ نوجوان نسل کو خودی کی تربیت دی جائے اور انھیں قرآن کی تعلیمات اور جدید علوم کی روشنی میں تیار کیا جائے۔ اس طرح نوجوان نہ صرف ذاتی کمال حاصل کریں گے بلکہ معاشرے کی تعمیر اور بیداری میں بھی مؤثر کردار ادا کریں گے۔ مجموعی طور پر اقبال کا تصورِ خودی اور اس کی عملی تجاویز جدید مسلم معاشرے کے لیے سنگِ بنیاد ہے۔ یہ تصور نوجوانوں کو اخلاقی، علمی اور فکری قوت عطا کرتا ہے اور امت مسلمہ کو اجتماعی اور عالمی سطح پر مستحکم اور فعال بنانے کی راہوں پر گامزن کرتا ہے۔